شاہ فیاض عالم ولی اللہی
لیکچرار انسان کالج کشنگنج

کیا سُنّتِ نبوی واجب العمل اور اس سے انحراف کفر ہے؟

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے مضمون کا جائزہ

ہفت وار نقیب پھلواری شریف پٹنہ کے ۵ فروری ۱۹۹۰ء کے شمارے میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت ایک مضمون شائع ہوا ہے اصل مضمون عربی میں تھا اس کا اصل ترجمہ نسیم احمد قاسمی نے کیا ہے۔

عبدالعزیز صاحب عالمی شہرت کے مالک ہیں وہ آج کل سعودی عربیہ میں افتاء اور قضاء کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ایسے بلند پایہ عالم کے قلم سے ایسے مضمون کا معرض تحریر میں آنا حیرت ناک ہے۔ اس مضمون میں مغالطہ آمیز استدلال سے کام لیا گیا ہے اس سے چند در چند غلط فہمیوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ سنتِ نبوی اور انحراف کے الفاظ توضیح و تشریح طلب ہیں نیز اور بہت سی باتیں خلاف حقیقت ہیں۔

چونکہ یہ معاملہ اہم ہے اور اس سے اسلام کے ایک اہم معاملہ سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ اس لیے مجھے اس کی وضاحت پر مجبور ہو کر قلم اٹھانا پڑا ہے۔ ورنہ موصوف کے اس رویہ سے کفر کا وہ سیلاب آئے گا جو عالم اسلام کو بہالے جائے گا۔

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

عبدالعزیز صاحب کے بے قید عنوان کے مفہوم کے پیشِ نظر واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سنتِ نبوی علی الاطلاق واجب العمل ہے اور اس کا انکار ہی نہیں بلکہ اس سے انحراف بھی

کفر ہے۔ اس نظریہ کے مطابق شاید ہی کوئی مسلمان کافر ہونے سے بچ جائے گا حتیٰ کہ مضمون نگار بھی نہیں ہیں پہلے بغیر کسی حوالے کے کامن سنس (شعور عامہ) سے اس دعویٰ کا جائزہ لے رہا ہوں۔

١۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضور (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر بیٹھتے تھے اور سوتے تھے کمبل بچھا کر سوتے اور بیٹھتے تھے۔ اس لیے یہ سنتِ نبوی ہے۔ اب جو لوگ صوفہ سیٹ پر اور پلنگوں پر اسفنج کے گدے بچھا کر بیٹھتے اور سوتے ہیں اور چٹائی پر بیٹھنے اور سونے کو ترک کر چکے ہیں کیا یہ سب کے سب کافر قرار پائیں گے؟

٢۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موٹے سوتی کپڑے پہنتے تھے یہ سنتِ نبویؐ ہے اس لیے جو لوگ باریک اور عمدہ کپڑے نیز ٹیلین ٹیری کاٹ پولسٹر وغیرہ پہنتے ہیں اور موٹے سوتی کپڑوں کو ترک کر دیا ہے تو یہ سب کافر ہوئے

٣۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پگڑی باندھتے تھے یہ سنتِ نبویؐ ہے اس لیے جو لوگ پگڑی سے بے نیاز ہیں ننگے سر رہتے ہیں یا ٹوپی استعمال کرتے ہیں سنتِ نبویؐ سے منحرف ہیں اس لیے کافر ہوں گے۔

٤۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچے مکانات اور کھجور کے چھپر کے اندر رہتے تھے اس لیے یہ سنت نبویؐ ہے اس لیے جو لوگ پختہ عمارتوں میں رہتے ہیں وہ کافر ہوئے۔

٥۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چپل پہن کر مسجد میں تشریف لے جاتے اور چپل پہن کر نماز پڑھتے تھے اس لیے یہ سنت نبوی ہے اس لیے جو ننگے پاؤں نماز پڑھتے ہیں وہ سنتِ نبوی سے انحراف کی وجہ سے کافر قرار پائیں گے۔

ایک نکتہ قابل غور یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے سنتِ پر عمل کرنا منع ہے۔ ١

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے اور خلاف معمول چپل اتار کر مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ نے بھی چپلیں اتار دیں۔ نماز کے بعد حضور نے پوچھا کہ تم نے چپلیں کیوں اتار دیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کو دیکھا اس لیے تو حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ چپل میں گندگی ہے۔ تم کو کس نے خبر دی؟ صحابہؓ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دیکھ لے اگر

چپل میں گندگی لگی ہو تو اس کو پوچھ لیں پھر چپلوں کے ساتھ نماز پڑھیں۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سنت نبویؐ واجب العمل ہے تو ان سوالوں کا کیا جواب ہے اب ہم اس مسئلہ پر غور کریں کہ:

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وحی ہے ؟

عبدالعزیز صاحب نے اپنے مضمون میں اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ " وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے جو کچھ بھی زبانِ نبویؐ سے ارشاد ہوتا ہے وہ خداوند قدوس کی طرف سے وحی ہوتی ہے" یہ ذیل کی آیت کا ترجمہ اور اس سے ماخوذ مفہوم ہے وہ یہ ہے :

وما ینطق عن الھوٰی ٥	محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے
ان ھو الا وحی یوحٰی ٥	وہ تو وحی ہے جو ان پر بھیجی گئی ہے ۔

یہ ترجمہ ہے اس آیت کا جو عام طور پر علماء کرتے ہیں (الا ماشاءاللہ) اور اس کا مطلب وہی نکالتے ہیں جو عبدالعزیز صاحب نے بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا مصداق کیا ہے ؟

عبدالعزیز صاحب کے مطابق (اس زمرے میں عام علماء بھی شامل ہیں) اس کا مصداق یہ ہے کہ ہر حدیث وحی الٰہی ہے اور حضورؐ جو کچھ بھی فرماتے تھے وہ ان کی بات نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ وحی الٰہی ہوتی تھی ۔

اس خیال کا ایک جائزہ شعور عامہ (Common sense) کے لحاظ سے لیا جائے تو ذہن اس بات کے ماننے سے انکار کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواہش سے بولنے کے عام انسانی حق سے بھی محروم کر دیا گیا تھا اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کائنات کے سب سے بڑے انسان کو اپنی خواہش سے بولنے کے عام انسانی حق سے محروم سمجھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی توہین ہے اور عقل اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے کہ دنیا کے عظیم ترین انسان اور بولنے کے بنیادی حق سے محروم۔ آخر کیوں ؟ ایک طویل سوالیہ نشان سامنے آتا ہے اور نہایت غورطلب

شاید کچھ خشک دماغ مولوی مندرجہ بالا مفہوم سے انحراف کو کفر کے مترادف سمجھیں لیکن شریعت سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے کہ حضور کا ہر قول وحی الٰہی ہے ورنہ وحی کو غلط ماننا لازم آئے گا اور ظاہر ہے کہ وحی کی تکذیب کے قائل ہونے کے کیا معنی ہیں اس اجمال کی تفصیل ذیل کی شرح

سے ہوگی۔

۱۔ **تابیر نخل**: یہ بات علماء بخوبی جانتے ہیں کہ عرب میں نر کھجوروں کے پھول مادہ کھجوروں کے درختوں پر بکھیر کر ڈالے جاتے تھے۔ حضورؐ نے سبب دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اس طرح پھل زیادہ آتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ عام علماء کے مطابق حضورؐ کا یہ قول وحی الٰہی ہے۔ جب اس پر عمل کیا گیا تو پھل کم آئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کے فرمانے پر عمل کیا گیا تو پھل کم آئے تو حضورؐ نے فرمایا ایسا تم کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "انتم اعلم بأمور دنیاکم" تم اپنے دنیاوی امور سے زیادہ واقف ہو اس واقعہ پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضورؐ کا فرمانا کہ تم مت کرو اگر وحی الٰہی ہے تو اس سے رجوع وحی کی تردید ہوئی۔

۲۔ ایک اور حدیث ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں چار رکعت والی نماز پڑھائی لیکن دو ہی رکعتیں پڑھا کر نماز ختم کر دی۔ صحابہؓ چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا "اقصرت الصلوٰۃ یارسول اللہ ام نسیت" (کیا نماز گھٹا دی گئی ہے یا رسول اللہؐ یا آپ بھول گئے) حضورؐ نے فرمایا "کل ذٰلک لم یکن" (ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی) لیکن تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ حضورؐ سے سہو ہوا ہے اور انھوں نے دوبارہ نماز پڑھائی عام خیال کے مطابق "کل ذٰلک لم یکن" وحی ہے تو ظاہر ہے کہ وحی کا غلط ہونا لازم آیا۔

۳۔ یہودیوں کے سکھانے پر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کے متعلق دریافت کیا۔ حضورؐ نے فرمایا "میں کل بتاؤں گا" دوسرے دن کفار جواب کے لیے آتے رہے اور وحی کا سلسلہ بند رہا اور وہ اپنا وعدہ وفا کرنے سے قاصر رہے ۱۸ دن پر یہ آیت نازل ہوئی تو تنبیہ کی گئی "ولا تقولن لشیء انی فاعل ذٰلک غدا الا ان یشاء اللہ" (آپ یہ نہ کہیے کہ میں کل ایسا کروں گا مگر انشاء کہہ لیجئے، اس واقعہ سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں ۱۔ میں کل بتاؤں گا" یہ قول وحی نہیں ہے کیونکہ بغیر انشاء کہے ایسا کہنے سے خدا نے خود منع فرمایا ہے۔ ۲۔ جس عرصہ میں وحی نہیں آئی ظاہر ہے اس عرصہ میں حضور بہت سی باتیں کرتے رہے ظاہر ہے وہ وحی نہیں تھیں ۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مرضی الٰہی کے خلاف بھی ہوتا تھا۔ (تقدیر الٰہی کے خلاف نہیں) کوئی بات مرضی الٰہی کے خلاف بتقاضائے بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے صادر ہوتی تھی تو خدا کی طرف سے متنبہ کر دیا جاتا تھا جیسا کہ اسی آیت سے ظاہر ہے۔
ایک اور واقعہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ یہ کہ:

حضورؐ کے پاس ایک نابینا حاضر ہوئے کچھ سیکھنے کے لیے۔ اسی اثنا میں عرب کے کچھ سردار آ گئے حضورؐ نے ان سے روگردانی کی اور سرداروں کی طرف متوجہ ہو گئے اس خیال سے کہ یہ سردار ہیں یہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے لیکن وہ نابینا صاحب بہت خلوص سے آئے تھے اور پھٹے حال تھے ان سے روگردانی خدائے رحیم کو پسند نہ آئی اس لیے اس طرح تنبیہ کی۔ عبس و تولّٰی ان جاءہ الاعمٰی (ترش روئی کی اور روگردانی کی اس بات پر کہ ایک نابینا آیا ہے۔ یعنی نابینا سے حضور کی روگردانی مرضیٔ الٰہی کے خلاف تھی۔ بعد کی مثالوں سے اس بات کی مزید تاکید ہوگی۔

۴۔ حضورؐ نے غزوہ بدر کے قیدیوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر فدیہ لے کر آزاد کر دیا لیکن خدا کی طرف سے اس فیصلہ کے خلاف آیت نازل ہوئی اور اس فیصلہ کی تردید خدا کی طرف سے ہوئی اگر آزاد کرنے کا حکم وحی الٰہی کے مطابق دیا جاتا تو قرآن سے اس کی تردید کیوں ہوتی؟

۵۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کے ہاں شہد پینا چھوڑ دیا اور شہد نہ پینے کی قسم کھائی اس پر یہ آیت نازل ہوئی "یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک" اے نبی تو کیوں حرام کرے جو حلال کیا ہے اللہ۔ تجھ پر چاہتا ہے رضامندی اپنی عورتوں کی، صرف تنبیہ نہیں کی گئی بلکہ ان سے قسم تڑوائی گئی۔ ظاہر یہ قسم کھانا وحی الٰہی سے نہیں تھا اور اگر اس کو وحی مانیں تو قرآن سے اس کی تردید ہو گئی۔

۶۔ بیر معونہ کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ آئے اور درخواست کی کہ ہمارے یہاں تبلیغ کے لیے ایک جماعت بھیجئے تو حضورؐ کے حکم سے ستر قاری حضرات گئے کفار نے ان کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا حضورؐ کو خبر ہوئی تو ان کو بے حد صدمہ ہوا، اور عرصہ تک ان قاتلوں کے لیے بددعائیں کرتے رہے۔ یہ حکم خالص دینی اور تبلیغی تھا۔ ظاہر ہے یہ وحی کے مطابق نہیں تھا۔

بہرکیف ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضورؐ کے ہر قول کو اگر وحی مان لیا جائے تو وحی کا غلط ہونا لازم آئے گا آیۃ وما ینطق عن الھوٰی سے حضورؐ کے تمام اقوال مراد لیے جائیں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ ان کے کسی قول کو خارج از وحی قرار دیں۔

لیکن اصحاب کہف کے سلسلہ میں جو آیت نازل ہوئی ہے کہ آپ یہ نہ کہیے کہ میں کل ایسا کرونگا مگر انشاء اللہ کہہ لیجئے غزوہ بدر کے قیدیوں کی رہائی کا حکم فدیہ لے کر، اسی طرح شہد نہ استعمال کرنے کی قسم ان باتوں کی تردید خود قرآن سے ہوئی اس لیے ان اقوال کا وحی نہ ہونا تو ثابت ہوگیا۔ اس لیے یہ کھلا تضاد ہے ایک طرف تو آیت "وینطق عن الھوٰی" کا مفہوم یہ مانا جائے کہ حضورؐ کا ہر قول وحی ہے اور چند اقوال کا ادھر وحی نہ ہونا ثابت ہوتا ہے آخر یہ تضاد کیونکر دور ہو؟

سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ اس آیت کے مصداق کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے کہ آخر اس آیت میں 'ھُوَ' کی ضمیر کس طرف لوٹتی ہے اور ھو سے کیا مراد ہے قولِ رسولؐ یا اور کچھ؟ اگر قول رسول مراد لیں تو اس کا غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے اس لیے کوئی اور مراد تلاش کرنا ضروری ہے؟

یہ گتھی حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی کے ترجمۂ قرآن سے سلجھ جاتی ہے وہ اس آیت کا یہ ترجمہ فرماتے ہیں:

والنجم اذا ھوٰی ۰ ما ضل صاحبکم وما غوٰی ۰ وما ینطق عن الھوٰی ۰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ۰ علمہٗ شدید القوٰی ۰	قسم ستارہا چوں فرو افتد گمراہ نشد یار شما و غلط نکرد راہ را و سخن نگوید از خواہش نفس نیست قرآن مگر وحی کہ بسوئے او فرستادہ می شود آموختہ است او را فرشتۂ بسیار یا قوت۔

قرآن کریم کے بارے میں کفار کا خیال تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بنا کر پیش کرتے ہیں یہ خدا کا کلام نہیں ہے یہ آیت اسی خیال کی تردید کے لیے نازل ہوئی اس آیت کے آخری ٹکڑے "علمہٗ شدید القوٰی" سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ شدید القوٰی سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو قرآن کی آیتیں حضورؐ کو خدا کی طرف سے سکھانے آتے تھے

اس طرح وہ تضاد دور ہوجاتا ہے جو 'ھُوَ' سے مراد ہر قولِ رسولؐ لینے کی صورت میں لازم آتا ہے
اس مطلب کی تائید ان باتوں سے ہوتی ہے۔

(۱) سورہ "ضحیٰ" کی شان نزول پر غور کیا جائے، کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ منقطع رہا اس عرصہ میں حضورؐ کی طبیعت مکدر رہی یہاں تک کہ تہجد کی نماز ترک کر دی، کفار طعنہ دینے لگے کہ اس کے رب نے اس کو چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ وحی غیر متلو ہی آتی تو پریشانی نہ ہوتی تسلی ہو جاتی یہ بھی ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں حضورؐ بہت سی باتیں کرتے تھے جو وحی نہیں

(۲) اسی طرح حدیث افک پر غور کیا جائے۔ افک (بہتان) کے بعد حضورؐ بہت مغموم تھے اور حضرت عائشہؓ سے پہلے کس طرح نہیں ملتے تھے پورے ماحول پر سنجیدگی طاری تھی حضرت عائشہؓ کو جب بہتان کی خبر ہوئی تو ان کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے نہ نیند آتی تھی ایک ماہ بعد وحی آئی اور حضرت عائشہ کی برأت کے متعلق آیت نازل ہوئی تو سب خوش ہوئے ظاہر ہے اس عرصہ میں اگر وحی غیر متلو کا سلسلہ ہوتا تو اس میں حضورؐ کو تسلی دی جاتی اور غم و اندوہ کے بادل چھٹ جاتے حضرت عائشہؓ نے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ خدا کی طرف میری برأت ہوگی لیکن یہ توقع نہ تھی کہ آیت نازل ہوگی بلکہ یہ خیال تھا کہ خواب میں حضورؐ کو بتا دیا جائے گا۔

وحی غیر متلو کے بارہ میں کوئی ذکر نہیں کیا۔

اصولِ فقہ میں سنتِ نبویؐ کا مقام

قیاس: خوش قسمتی کی بات ہے کہ عبدالعزیز صاحب قیاس کو حجۃ مانتے ہیں انھوں نے اپنے اس مضمون میں لکھا ہے کہ "جمہور علماء کے نزدیک اگر قیاس کی جملہ شرطیں پائی جائیں گی تو وہ قیاس حجۃ ہوگا" اب ان ہی کے تسلیم کردہ قیاس کی روشنی میں ان کے دعویٰ کا جائزہ لے رہا ہوں کہ "کیا سنتِ نبویؐ واجب العمل اور اس سے انحراف کفر ہے؟" (ذیل کی بحث اصول فقہ کی مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ کی جارہی ہے) لیکن سنت سے پہلے فرض کا درجہ ہے۔ اس لیے پہلے اسی سے بحث کی جائے گی تاکہ فرض، واجب اور سنت ہر ایک کا مقام واضح ہوجائے۔

فرض کی تعریف: جس کے کرنے کا مطالبہ لازمی ہو اور یہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو۔
(فواتح ج ا ص ۵۰، حسامی ص ۵۸)

فرض کا حکم: دل سے یقین اور بدن سے عمل ضروری۔ فرض کا انکار کفر ہے اور بے عذر ترک کرنا فسق ہے (حسامی ص۵۸ نور ص۱۶۶) مقصد یہ کہ فرض سے انحراف یا اس کا ترک کفر نہیں بلکہ انکار کفر ہے۔

واجب کی تعریف: جس کے کرنے کا مطالبہ لازمی ہو لیکن ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کسی اعتبار سے شبہ ہو۔ (فواتح ج اص ۵۵ التوضیح ص ۶۰۹)۔

واجب کا حکم: ثبوت کے گمان غالب کے ساتھ بدن سے عمل ضروری بغیر کسی تاویل کے انکار گمراہی اور بغیر تاویل اور عذر کے ترک فسق ہے (نور مع قمر ۱۶۶ حسامی ص۵۸ التوضیح ۶۱) یعنی واجب کا انکار بھی کفر نہیں اور نہ ہی اس سے انحراف کفر ہے۔

سنت کی تعریف: جس کام کے کرنے کا مطالبہ غیر لازمی اس طور پر ہو کہ کرنے کی تاکید ہو۔

سنت کا حکم: لزوم کے بغیر کرنے کی تاکید کرنے والا تعریف اور ثواب کا مستحق ہے اور نہ کرنے پر ملامت اور عتاب کا مستحق ہے (حاسی مع نظامی ص ۵۹ نور ص۶۶-۶۷، درمختار و شامی ج ا ص ۷۰، ۷۱-۵۶۳)

مطلب یہ ہوا کہ فرض و واجب کا ترک کرنے والا بھی کافر نہیں چہ جائیکہ سنت کا ترک کرنے والا کافر ہو اور پھر انحراف کے کفر ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خواہ فرض و واجب ہی سے انحراف کیوں نہ ہو۔

غرض اصول فقہ کی مستند کتابوں حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ سنتِ نبویؐ واجب العمل نہیں ہے اور نہ ہی اس سے انحراف کفر ہے۔

حرف آخر: یہاں سنت کے سلسلہ میں چند باتیں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ سنت کی دو بڑی قسموں کا فرق واضح ہو جائے۔ وہ یہ ہیں:

سنتِ ھدایت: وہ ایسے کام ہیں جن کا ثبوت بطور عبادت اہتمام کے ساتھ ہو اور وہ فرض، و واجب کے لیے تتمہ (یعنی تکمیل تک پہنچانے والے) ہوں جیسے اذان و اقامت، نماز کی جماعت وغیرہ

اور یہی سنت موکدہ ہیں اور سنت کا جو پہلے حکم درج کیا گیا ۔ وہ اسی قسم کی سنت ہے (حسامی نظامی ص ۵۹، نور، قمر ص ۱۶۷)

سنتِ عادت: یا سنت زائدہ ۔ یہ وہ کام ہیں جن کا ثبوت عادت کے طور پر ہو یعنی وہ اقوال و افعال جن کا تعلق عام انسانی زندگی اور بشری تقاضوں اور ضروریات سے ہو، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، لباس وغیرہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت ہی کیا ہو لیکن وہ فرض و واجب کے لیے تکمیل کا ذریعہ نہ ہو۔ اور پابندی کی وجہ سے عادت ہی کے درجہ میں ہو گئے ہوں، جیسے نماز میں قرأت و رکوع و سجود کو طویل کرنا ۔ (التوضیح ص ۶۱۰ نور ص ۱۶۷، حسامی ص ۵۶، شامی جلد ا ج ۷۰) اس قسم کا حکم یہ ہے کہ ان چیزوں کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ شامی ج ا ص ۷۰)

جملہ معترضہ: اہل علم جانتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب اگر کسی واقعی ضروریات یا مصلحت کی وجہ سے ہو تو یہ کراہت باقی نہیں رہتی ۔

سنت، حقیقت اور مثال: سنت کے سلسلہ میں یہ بات نہایت غور طلب اور وضاحت طلب ہے کہ سنت کی ایک روح اور حقیقت ہے اور کسی بھی حقیقت کے عالم آب و گل میں صورت پذیر ہونے کے لیے کچھ افعال و اعمال کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس لیے ایک حکیم کو دونوں چیزوں میں امتیاز کرنا چاہیئے کوئی بھی حقیقت کسی فعل وعمل کی شکل میں نظر آتی ہے تو وہ اس حقیقت کے ظہور میں آنے کی ایک مثال ہے لیکن روح یا حقیقت اسی مثال میں منحصر نہیں ہے بلکہ حالات و مقام کے لحاظ سے ایک مثال موزوں ہوتی ہے لیکن جب حالات بدل جاتے ہیں اور مثال کی افادیت ختم ہو جاتی ہے تو حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں اس حقیقت کا ظہور کسی دوسری مثال میں ہو ۔ اس مطلب کو سمجھنے کے لیے مثالوں کا سہارا لینا پڑے گا ۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ چپلیں پہن کر نماز پڑھتے تھے یہ سنت ہے اس کی روح ہے۔ نظافت اور تکلیف سے تھا چونکہ اس زمانہ میں مسجدیں بہت سادگی کا مظہر ہوتی تھیں، فرش پر کنکریاں ہوتی تھیں ننگے پاؤں نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی تھی اور پاؤں غبار آلود ہو جاتے اسی لیے چپلیں پہن کر نماز پڑھتے تھے لیکن بعد کو جب مسجدیں اچھی بننے لگیں، صحن پکے بنے اور ان پر مصلّی بچھانے لگے تو تکلیف دور ہو گئی ۔ صفائی بھی ہو گئی اس لیے چپلیں پہن کر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں

رہی لوگوں نے اس کو ترک کر دیا بلکہ آج کوئی جوتے یا چپل پہن کر مسجد میں داخل ہو تو اس کو لعنت و ملامت کرتے ہیں۔

۲۔ حجاب کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے کہ جب عورتیں باہر نکلیں تو

یدنین علیھن من جلابیبھن — نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں

دوسری آیت یوں ہے

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن — اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبانوں پر اور

ولا یبدین زینتھن۔ — نہ دکھاتی پھریں اپنی زینت۔

ان دونوں آیتوں میں چادر اوڑھ کر یا دوپٹہ ڈھک کر باہر نکلنے کا حکم ہے تاکہ اپنی زینت کی نمائش نہ کریں یہاں دو چیزیں ہیں۔

(۱) ایک روح اور حقیقت یہ اپنی زینت کا نہ ظاہر کرنا ہے

(۲) دوسری چیز اس کی مثال چادر اور دوپٹہ سے پوشیدہ کرنا ہے۔

ظاہر ہے زینت کا پوشیدہ رکھنا ان ہی دونوں مثالوں پر منحصر نہیں ہے اس لیے جب برقع کا رواج ہو گیا تو زیادہ بہتر طور پر حجاب کی ایک نئی مثال سامنے آئی جو پہلے سے مختلف ہے اس لیے یہ کہنا برقع کا استعمال خلاف سنت ہے درست نہیں۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی یا کمبل بچھا کر بیٹھتے تھے یہ بھی ایک سنت ہے اس کی روح ہے اذیت سے بچنا اور نفاست اور صفائی اس کی ایک مثال چٹائی یا کمبل پر بیٹھنا سونا ہے۔ لیکن یہ روح ان ہی مثالوں پر منحصر نہیں ہے زمانہ بدلا طرح طرح کے بستر دری، قالین، توشک اسفنج کے گدے کی ایجاد سے مثالیں بدل گئیں اس لیے موخر الذکر چیزوں پر بیٹھنا سونا خلاف سنت نہیں ہے۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تہبند باندھتے اور قمیص پہنتے تھے یہ سنت ہے اس کی روح ستر پوشی ہے جس کا مقصد ہے بے حیائی بچنا اور موسم کے شدائد گرد و غبار سے جسم کی حفاظت اور زیب و زینت، تہبند اور قمیص اس کی مثالیں ہیں لیکن یہ روح اور حقیقت ان ہی مثالوں پر منحصر نہیں اور خود حضور ؐ نے ان مثالوں پر انحصار کے خلاف اشارے دیئے ہیں چنانچہ آپ ؐ نے

پاجامہ کو دیکھا تو اس کو پسند فرمایا اور عورتوں کے لیے زیادہ ستر پوشی کا ذریعہ قرار دیا۔
تحفہ میں عیسائیوں کی طرف سے روسی عبا آئی تو حضور نے اس کو پہن لیا جبکہ اس کی وضع قمیص سے الگ تھی جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ اس کو پہن کر وضو کرنے لگے تو آستین چست ہونے کی وجہ سے کھنی نہیں نکلی تو اندر سے ہاتھ نکال کر وضو کر لیا۔ لیکن اس کا استعمال ناجائز نہیں قرار دیا بلکہ اتار کر ایک صحابیؓ کو دے دیا کہ تم پہنو حالانکہ یہ عیسائیوں کا لباس تھا یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ستر پوشی تہبند اور قمیص کی مثالوں میں منحصر نہیں جبکہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ روح ان ہی مثالوں میں منحصر ہے جبکہ یہ لباس حضورؐ یا صحابہؓ کا مخصوص نہیں تھا بلکہ کفار قریش کا بھی یہی لباس تھا۔

۵۔ جہاد فرض ہے اور تلوار تیر کمان، نیزہ ڈھال وغیرہ سے جہاد کرنا سنت ہے اس کی روح ہے اعلاء کلمۃ اللہ اور دفع مظالم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مندرجہ بالا ہتھیاروں سے جہاد کرنا مثالیں ہیں اب زمانہ بدلا تو ہتھیار بے شمار ہو گئے ان کی افادیت ختم ہو گئی اب اس کی مثالیں بندوق، مشین گنیں، بم، راکٹ نیز وغیرہ ہیں اب اس روح کا ظہور موخر الذکر ہتھیاروں کی شکل میں ہوگا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ان جدید ہتھیاروں کا استعمال جہاد میں استعمال سنت کے خلاف اور سنت سے انحراف ہے تو اس کی عقل اور تفقہ کا ماتم کرنا چاہیئے۔

ویسے صاحبِ مضمون نے حدیث کے حجت ہونے کے متعلق جو درج کیا ہے وہ درست ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ایسی حدیثیں جن کے راویوں کی تعداد حد تواتر تک پہنچ جائیں اور ان سے کسی کام کے کرنے کا مطالبہ لازمی طور پر ہو وہ واجب العمل ہیں اور ان کا انکار کفر ہے لیکن علی الاطلاق سنت واجب العمل نہیں اور انحراف تو فرض سے بھی کفر نہیں ہے۔

سنت نبویؐ پر عمل سعادت اور رفع درجات کا باعث ہے لیکن اس کے لیے صرف علم کتاب کافی نہیں، بلکہ تفقہ اور حکمت کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تعلیم کتاب تزکیہ نفس کے ساتھ تعلیم حکمت بھی قرار دیا گیا ہے اس لیے اگر تفقہ اور حکمت کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا اور صرف کتاب کے ظاہر کو سامنے رکھ کر لائحہ عمل بنایا گیا تو اس دور جدید میں اسلام محض بدویوں کا مذہب بن کر رہ جائے گا۔ اور عصر جدید میں ناقابل عمل قرار پائے گا۔